

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الشِّرْكَ أَظْلَمُ عَظِيمٍ

بلا شبہ شرک ظلم عظیم

تعبان: ۱۳

قبر پرستی کا شرک  
اور اسکی بنیاد

قرآن و سنت کی روشنی میں

شائع کردہ

شمیم احمد صدیقی



مسلم مسجد

گلستان جوہر، بلاک ۱۷، کراچی

بلاشبہ مرنے کے بعد قیامت تک قبر کا عذاب یا راحت یقینی ہے مگر افسوس کہ ایمان و اسلام کے دعویداروں کی اکثریت نے زمین کے اسی گڑھے کو، جس میں مرنے والوں کے جسموں کو دفن کیا جاتا ہے، وہ قبر مان لیا ہے جہاں پر ہر مرنے والے کو سوال و جواب کے عمل سے گزارنے کے بعد قیامت تک عذاب یا راحت کی کیفیت سے دوچار رکھا جاتا ہے۔ جبکہ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مرنے کے بعد انسانوں کی اکثریت کو جلا کر الٹ کر دیا جاتا ہے۔ پھر کہتے ہیں جن کو درندے چیر چھا کر کھا جاتے ہیں۔ اور کہتے ہی ایسے ہیں جو پھیلیدوں کو نالہ بن جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر مرنے والوں کی اتنی بڑی اکثریت پر، جن کو یہ معروف دنیوی قبر نہیں ملتی، سوال و جواب اور عذاب و راحت کا مرحلہ کہاں اور کیسے گزرتا ہے؟

اب یہ بھی اس اُمت کی بد نصیبی ہے کہ اس کے اندراج موت و حیات کے اس اہم اور بنیادی مسئلہ کو فروغی مسئلہ قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دنیوی قبریں عذاب کا مانتا اور اصل "حیات فی القبر" کے عقیدے کی تصدیق کرنا ہے جو کہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد اور قرآن کا انکار ہے۔

چنانچہ حیات فی القبر کے اس عقیدے و نظریے کے تحت پہلے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے والی قبر میں زندہ مانا گیا اور پھر ہر مرنے والے کو نہ صرف اس کی قبر میں زندہ ہی مانا گیا بلکہ ان میں سے بعض کو غوث، قطب اور ابدال کے القابات دے کر انہیں دنیوی معاملات میں تصرف کا اختیار بھی سونپ دیا گیا۔ پھر کسی کو سردیاد رسی کے لیے پکارا جانے لگا تو کسی کو مشکل کشائی اور حاجت روانی کے لئے۔ کوئی دانا گنج بخش بنا دیا گیا تو کوئی دستگیر و غوث الاعظم اور کسی

کو غریب نواز کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ غرض ہر گلی و کوچے میں ان کی قبروں نے مزارات اور خالفتا ہوں کی شکل میں اللہ کے گھر "کعبۃ اللہ" کے مقابلے میں نقلی کعبوں کا روپ دھار لیا ہے۔ جہاں پر ہر سال عرس کے نام سے حج ہونے لگے۔ پھر عوام الناس ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور یوں دشنام و حدیث کے مقابلے میں اپنے نام نہاد علماء و مشائخ کی بات کو اہمیت دیکر قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

چشم بے نار کھنے والوں کی نظر سے یہ بات مخفی تو نہیں کہ انہی "علماء و مشائخ" نے اُمت مسلمہ کو قرآن و حدیث سے دور کر کے فرقوں میں بانٹ اور اس طرح فرمان الہی "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا" کا صریح انکار کیا ہے۔

بہر حال آخرت کی فکر رکھنے والوں کو صحیح دین سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ایک واضح تصور پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں :

إِنَّكَ مَدِيَّتٌ وَإِنَّهُمْ مَمْدُتُونَ (الزمر: ۳۰)

(اے نبی) بے شک تمہیں بھی موت آتی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ :

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخَلْدَ ۚ أَفَإِنَّ مَدَتِ قَهْمُ الْخَلْدِ ۚ (الانبیاء: ۳۳)

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی انسان کو ہمیشگی نہیں دی، اگر آپ مر جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

وَمَا جَعَلْنَا لَهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا

خَلِيدِينَ

(الانبیاء: ۸)

”اور ان رسولوں کو ہم نے کوئی ایسا جسم نہ دیا تھا کہ کھانا نہ کھاتے

ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے“

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوا دیا کہ :

قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ

رَبِّ الْعَالَمِينَ

(الانعام: ۱۶۲)

”(اے نبی!) ان سے کہہ دیجئے کہ میری صلوٰۃ اور میری قربانی اور

میرا عینا اور میرا امرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے“

پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اعاذیش صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کا اجماع اس سلسلے میں موجود ہے کہ ”نبی علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے“

(ملاحظہ ہو بخاری، کتاب المناقب) لیکن اس کے باوجود اس اُمت کی اکثریت

کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام مدینہ والی قبر میں زندہ ہیں (مرے نہیں بلکہ پردہ

کمر گئے ہیں) ، کوئی کہتا ہے کہ ان کو تو موت آئی، یہی نہیں بلکہ رُوح سینے میں

اُلٹی رہی (آب حیات) از قاسم نانوتوی) اور کوئی کہتا ہے کہ ان کو ازواج مطہرات

بھی پیش کی جاتی ہیں اور وہیں پردہ ان کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں۔

(احمد رضا خان، ملفوظات)

اس کے برعکس اللہ کی کتاب کہتی ہے کہ ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاَنْتُمْ

مَيِّتُونَ“ (الزمر: ۳۰)

اس کے علاوہ قرآن میں یہ اصول و کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ موت ہر

ایک کو آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا :

كُلُّ نَفْسٍ ذَاقَةُ الْمَوْتِ

(الانبیاء: ۳۵)

”ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے“

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ

وَالْاِكْرَامِ

(الرحمن: ۲۶-۲۷)

”اس زمین پر جو بھی چیز ہے فنا ہونے والی ہے اور باقی رہنے

والی ذات تمہارے پروردگار کی ہے جو صاحب جلال و عظمت ہے“

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ ط

(القصص: ۸۸)

”ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے اس اللہ کی ذات کے“

لیکن مذکورہ بالا آیات کے برخلاف، آپ ان کے عقیدے کی طرف نظر

دوڑائیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے برعکس قرار دیا ہے۔

زندہ جاوید (الحی) رہنے کی صفت تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لیکن یہ

لوگ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ قرار دے کر شرک

جیسے شنیع گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ مانا بلکہ انہیں نافع و ضار،

عالم الغیب اور حاضر و ناظر اور اوّل و آخر بھی تسلیم کیا ! حالانکہ مالک کائنات

کی سچی کتاب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باعتبار اختیار اور نافع و ضار ہونے کی نفی کرتی

ہے، ملاحظہ فرمائیے :

قُلْ اِنِّي لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا

(الحج: ۲۱)

”(اے نبی!) کہہ دو کہ میں تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں

اور نہ کسی بھلائی کا“

سورة الاعراف میں فرمایا :

قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي فَعَا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ

كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سَتَكُنُّ مِنَ الْخَيْرِ ؕ وَمَا

مَسْنِي السَّوْءُ ؕ

(آیت: ۱۸۸)



”اے نبی! آپ کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اگر میں عالمِ انبیا ہوتا تو بہت سامانِ نفع حاصل کر لیتا، اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ ہوتی“

مذکورہ بالا آیات قرآنی کے مقابلے میں ان کی پکاریں ہیں کہ:

”بھروسہ جھوٹی میری یا محمد“

”جو کچھ بھی مانگنا ہے درِ مصطفیٰ سے مانگ“

”مارے نبی تیرے در کے سوالی۔۔۔“

جب کہ کتاب اللہ صاف اعلان کرتی ہے کہ:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ال عمران ۱۴۳)

”اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک رسول ہیں۔“

ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں“

اور سب سے زیادہ واضح بات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کہلوا دی کہ:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَا مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۹)

”اے نبی! ان سے کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں“

اتنی واضح آیات کے بعد بھی اس اُمت کی اکثریت شرک کی غلاظت میں

لٹ پڑے، اسے اپنے گلے کا مار اور پاؤں کی زنجیر بنائے ہوئے ہے

حالانکہ مالکِ کائنات کی کتاب و اشکافِ الفاظ میں اعلان کرتی ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ

لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۱۱۶)

”بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک

کیا جائے، اس کے سوا وہ جو گناہ جس کے لئے چاہے گا معاف کر دینگا“  
یعنی اگر کسی کے ایمان میں شرک کی آمیزش ہوگی تو پھر مالک کی بارگاہ میں اس کے اعمال کی کوئی قیمت نہ اٹھے گی اور وہ سارے اعمال بے وزن ہوں گے۔ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ اپنے اٹھارہ برگزیدہ انبیاء کرام کا نام بنا کر ذکر فرماتا ہے اور آخر میں فرماتا ہے کہ:

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۸۸)

”اگر ان سے بھی (بفرضِ محال) شرک سرزد ہو جاتا تو ان کے اعمال

بھی ضائع کر دیئے جاتے“

اس سے بھی زیادہ سخت آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نازل ہوئی ہے کہ:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ

الْخَاسِرِينَ (الزمر: ۶۵)

”اے نبی! اگر آپ نے بھی (بفرضِ محال) شرک کیا تو آپ کے اعمال

ضائع کر دیئے جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں

شامل ہو جائیں گے“

ذرا سوچئے تو ہسی، اللہ کے انبیاء کرام اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں

شرک کرنے نہیں آئے تھے بلکہ شرک کی جڑوں کو دنیا سے اکھاڑ پھینکے آئے

تھے۔ لیکن یہ بات ان کے حوالے سے انسانیت کو سمجھانی جبار ہی ہے کہ

دیکھو! شرک اتنا شیعین گناہ ہے کہ اس کے لئے انبیاء کرام کو بھی معاف نہیں

کیا جائے گا۔ تو پھر عوام الناس کے اعمال کی کیا حیثیت!

ان کے لئے تو مالک کا ارشاد ہے کہ:

”لوگ عمل کرتے کرتے تھک گئے ہوں گے، بھر پتی آگ میں

جھلسا دیئے جائیں گے“ (الفاشیہ، آیت: ۳-۴)

یہی معاملہ عذاب قبر کا ہے کہ لوگ قرآن کے خلاف اسی قبر میں مردے کو زندہ مان کر، سمجھتے ہیں کہ یہیں عذاب و راحت کا معاملہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ عذاب قبر حق ہے لیکن تحقیق طلب مسئلہ ”یہاں یا وہاں“ کا ہے۔ یعنی یہ عذاب اس زمینی گڑھے میں ہوتا ہے یا ”عالم برزخ“ میں ؟

آئیے، اس مسئلے کا حل ہم پہلے کتاب اللہ میں تلاش کریں۔ مالک فرماتا ہے:

فَإِنْ مَنَّا زَعْنَفٌ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء : ۵۹)

”اگر تم میں باہم کوئی تنازع ہو تو تم اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو، یہ بہتر طریقہ ہے اور احسن تاویل“

اور اسی بات کی تشریح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا مَسَسْتُمُ بَعْضًا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ (الموطا)

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہی ہوں، اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ (وہ چیزیں ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت“

یہاں بھی اولیت کتاب اللہ کو دی جا رہی ہے۔ یعنی سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو۔ تو آئیے سب سے پہلے کتاب اللہ سے اس مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں :

قرآن حکیم دو موتوں اور دو زندگیوں کا واضح تصور پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ :

۸  
كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمُوتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ تُمَيِّتُهُمْ ثُمَّ يَحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرة : ۲۸)

”تم کس طرح اللہ سے کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے تو اللہ نے تم کو زندگی عطا کی پھر وہی تم کو موت دے گا، پھر وہی تم کو زندہ کر دے گا۔ پھر تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے“

اس بات کی تصدیق یعنی دو موتوں اور دو زندگیوں کا اثبات اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمن میں کافروں کی زبانی کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

۱۶  
قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا أَثْنَتَيْنِ وَأَخْبَتَيْنِ أَثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ (آیت : ۱۱)

”وہ کہیں گے، اے ہمارے رب ! تو نے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار زندگی عطا کی، تو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، تو کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے“

اب اگر اس زمینی گڑھے میں مردے کے ساتھ عذاب و راحت کو مان لیا جائے تو لازماً ہمیں دو موتوں اور دو زندگیوں کے قرآنی تصور سے دستبردار ہونا پڑے گا جو کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اس لیے کہ جب ہم مردے کے ساتھ اسی قبر میں عذاب و راحت کو تسلیم کریں گے تو مردے کا زندہ ہونا ضروری ہے ورنہ مردے پر عذاب و راحت چہ معنی دارو !

دوسری بات جو قرآن حکیم بڑی صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے وہ یہ کہ قیامت سے پہلے مردہ زندہ نہیں ہوتا، مردہ ہی رہتا ہے۔ اسے دوبارہ قیامت کے روز اٹھا کر اُکھایا جائے گا۔ اس ایک مضمون کو مالک کا ثناء نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ سورۃ المؤمن میں فرمایا کہ :

۳  
ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۚ ثُمَّ إِلَيْكُمْ رُجْعٌ ۖ ثُمَّ إِلَيْكُمْ رُجْعٌ ۚ ثُمَّ إِلَيْكُمْ رُجْعٌ ۚ ثُمَّ إِلَيْكُمْ رُجْعٌ ۚ (آیت : ۱۶/۱۵)

۹  
”اس زندگی کے بعد تمہیں موت آکے رہے گی اور اس کے بعد قیامت کے دن ہی تم پھر اُٹھائے جاؤ گے۔“  
دوسری جگہ فرمایا کہ :

۷  
”إِنَّا نَحْنُ نَحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَ أَحْسِنُتِهِ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ“ (یس: ۱۲)  
”جلائیہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے، اور ہم لکھ لیا کرتے ہیں جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو نشان اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔“  
غور فرمائیے ”مردوں کو زندہ کرنا“ کیا ثابت کرتا ہے۔

سورہ مریم میں بھی علیہ السلام کی عزت و تکریم میں فرمایا کہ :  
۵  
”وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا“ (آیت ۱۵)  
”اور سلام ہو ان پر جب وہ پیدا ہوئے، اور جب ان کی وفات ہوئی، اور جب وہ زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔“  
یہی بات سورہ مریم کی آیت نمبر ۳۳ میں بیان کی گئی ہے۔  
سورہ ”قی“ میں اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی کو خلق جدید سے تعبیر کرتا ہے  
اور فرماتا ہے کہ :

۹  
”أَفَعَيَّبْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ“ (آیت ۱۵)

”کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں ؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“

قیامت کے روز اہل ایمان اس بات کی تصدیق کریں گے اور کہیں گے کہ تم تو اللہ کے نوشتے کی مطابق شریک پڑے رہے ہو :-

۱۰  
۴  
”وَقَالَ الَّذِينَ أَتَوْا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ ۖ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (الروم: ۵۶)

”اور جن کو علم اور ایمان کی دولت دی گئی تھی، وہ کہیں گے اللہ کی کتاب کے مطابق تو تم قیامت تک پڑے رہے ہو، تو یہ قیامت ہی کا دن ہے، لیکن تم جانتے نہ تھے۔“  
سورہ الروم ہی میں اسی بات کو یوں دہرایا گیا کہ :

۸  
”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۚ هَلْ مِنْ شَرٍّ أَكْثَرُكُمْ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۗ“ (آیت ۴۰)  
”اللہ ہی وہ (ہستی) ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کر دے گا۔ کیا تمہارے شرکیوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکے، وہ پاک ہے اور بالاتر ہے ان کے شرک کرنے سے۔“

ان تمام آیات میں دنیا میں ایک زندگی اور ایک موت اور روز قیامت ایک زندگی ہی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح دو زندگیوں اور دو موتوں کے نظریے کی پوری طرح تائید ہوتی ہے۔ تیسری زندگی کا تو کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔  
سورہ حج (۲۶) میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور سورہ زمر میں تو حتمی فیصلہ کر دیا گیا کہ :

۹  
”اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاجِلِهَا ۖ فِيمَتِلْكَ الَّتِي فَضَّلَ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُزِيلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ“ (آیت ۴۲)



”اللہ مرنے کے وقت لوگوں کی رُو میں قبض کر لیتا ہے اور جو مرتے نہیں (ان کی رُو میں) سوتے میں قبض کر لیتا ہے پھر جلی موت کا حکم ہو چکا ہوتا ہے تو ان کو روک لیتا ہے اور باقی رُوں کو ایک مقررہ مدت تک کے لیے رکھ دیتا ہے، اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں“

اس بات پر غور کریں کہ ”روکنا کہاں ہے اور واپس کہاں بھیج دیتا ہے“ اسی ایک بات میں پوری دلیل موجود ہے۔ بسے ذرا غور کرنے کے ضرورت ہے۔

اب ذرا مذکورہ بالا آیات قرآنی کا بغور مطالعہ کریں، ان آیات میں دنیاوی قبر میں درمیانی زندگی کا کوئی تصور موجود نہیں بلکہ یہ بات واضح ہے کہ ہر ان مرنے کے بعد قیامت کے دن ہی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ قیامت سے قبل دنیاوی جسم میں رُو کو ٹاکر تیسری زندگی کا تصور صریحاً خلاف قرآن ہے۔

مذکورہ بالا تمام آیات سے ثابت ہو گیا کہ ہر مرنے والے کو قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا، پھر قیامت سے پہلے مرنے والا اس قبر کے اندر کیسے زندہ ہو جاتا ہے ؟ اور اس طرح قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد آخر اسے موت پھر کب آتی ہے ؟ اور ان تین زندہ گیوں اور تین موتوں کے ثبوت میں آخر دلیل کیا ہے ؟

اب آئیے دیکھیں کہ قبر میں مدفون ”مردے“ کی حیثیت قرآن میں کیا ہے ؟ قرآن کہتا ہے کہ :-

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (النحل: ۲۱)

”مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اُٹھایا جائے گا“

ملاحظہ فرمائیے ! یہاں قرآن نے اس بات کو صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ جن مستیوں (نبیوں اور ولیوں) کو پوچھایا کہ راجا رہا ہے وہ زندہ نہیں مردہ ہیں! دوسری جگہ بیان فرمایا کہ :

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (الاحقاف: ۵)  
”اور اُس سے زیادہ کون گمراہ ہو گا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہ دیں، اور وہ تو ان کی پکار سے بے خبر ہیں“

سُورَةُ الْاَعْرَافِ میں اللہ تعالیٰ مردوں کے متعلق بیان فرماتا ہے :  
الْهَمَّ اَرْجُلُ يَمْشُونَ بِهَاءٍ اَمْ لَهُمْ آيَةٌ يُبَيِّطُونَ بِهَاءٍ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَاءٍ اَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَاءٍ قُلْ اِذْعُوا شُرَكَاءَكُمْ تَعْبُدُونَ فَلَا تَنْظُرُونَ (آیت: ۱۹۵)

”کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں، کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو ہٹا سکیں، کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سُن سکتے ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے شرکاء کو بلاؤ۔ پھر مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرو، پھر مجھ کو بالکل مہلت مت دو“

دوسری جگہ فرمایا :

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ تَعَالَى ۚ فَبُخِعُوا حَسْبُكُمْ (الانعام: ۳۶)

”دعوت حق پر لبیک دی لوگ کہتے ہیں جو سننے والے ہیں۔ یہے مُردے، تو انہیں تو اللہ بس قبروں ہی سے اُٹھائے گا اور پھر وہ

اس کی طرف پلٹائے جائیں گے۔  
سُورَةُ الْفَاطِرِ میں بیان کیا گیا کہ یہ مُردے کجھور کی گھٹلی کے پھلکے کا بھی  
اختیار نہیں رکھتے (آیت: ۱۳) پھر فرمایا کہ پکارتے ہو جو یہ نہیں سُنتے: اِنْ  
تَذَعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دَعَاكُمْ اَنْهُمْ يَكْفُرُوْنَ وَلَوْ تَدْعُوْهُمْ لَعُدَّ حِسَابُنَا  
لَهُمْ نَارًا لَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آیت: ۱۴) اس کے بعد فرمایا کہ مُردہ اور زندہ برابر نہیں۔ لہذا  
مُردوں کو پکارنا حماقت اور جہالت ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللَّهَ يَسْمِعُ  
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (الفاطر: ۲۲)  
”اور نہ زندہ اور مُردے برابر ہیں، بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے  
سُنا دیتا ہے، اور جو قبروں میں مدفون ہیں آپ ان کو نہیں سُنا سکتے“

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس اصول کو واضح کر دیا کہ جس طرح بینا و  
نا بینا برابر نہیں ہوتے، نہ تاریکی و روشنی، اور نہ ٹھنڈی چھاؤں اور گرم دھوپ کی  
تپش، اسی طرح زندہ و مُردہ برابر نہیں ہوتے۔ مُردہ تو مُردہ ہی ہوتا ہے اس  
کے اندر سُنے کی صلاحیت کہاں؟ یہ لوگ جو دعوت کو نہیں سُن رہے بل مُردہ  
ہیں اور مُردے سُنا نہیں کرتے، البتہ اللہ جسے چاہے سُنادے یعنی قبولِ حق کی  
توفیق عطا فرمادے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو نہ سُنا سکنے کی مجبوری  
کی تہمت سے بھی اپنی ذات کو پاک کیا ہے لیکن دوسرے مُردہ جو پُورے وہ قبر  
کے اندر مدفون مُردوں کو کچھ بھی نہیں سُنا سکتے!! کیونکہ قانونِ وکیلہ یہی ہے کہ  
مُردے کچھ نہیں سُنا کرتے۔

یہ تو ہو گئی مُردوں کی حیثیت قرآن کی نظر میں، جس سے یہ بات واضح ہو  
گئی کہ مُردے قیامت تک مُردہ ہیں، ان میں جان کی رتق تک نہیں۔ وہ  
قیامت تک غافل پڑے ہوئے ہیں۔ وہ نہ ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں نہ

آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ کان سے سُن سکتے ہیں۔ ان کے تمام حواس  
ختم ہو چکے ہیں بلکہ قرآن کے مطابق انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں  
گے۔ لیکن ان فرقہ پرستوں کی ضد ہے کہ اسی قبر میں رُوح لوٹائی جاتی ہے  
اور اسی قبر میں اُٹھا کر بٹھایا جاتا ہے۔

اب آئیے قبر کے اندر ”مُردے کا حال“ قرآن سے دریافت کرتے ہیں۔  
قرآن کہتا ہے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِنْدَنَا كَنْزٌ حَفِيظٌ (ق: ۴)  
”ہم جانتے ہیں جو زمین (کو) کھا کھا کر کم کرتی ہے اور ہمارے پاس کتاب  
محفوظ ہے“

اس بات کی وضاحت قرآن میں مذکور کفار کے اس سوال سے بھی ہوتی  
ہے کہ کیا ہم جب مر چکے ہوں، مٹی بن جائیں اور بڑیوں کا ڈھانچہ رہ جائیں تو کیا  
پھر زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے!

قَالُوْا اِذَا اِمْتَنَّا وَكُنَّا تَرَابًا وَعِظًا مَّاءً اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (الزُّمُر: ۸۲)  
”کہتے ہیں کیا جب ہم مر چکے اور مٹی اور ہڈی بن کر رہ گئے تو کیا پھر ہم  
اُٹھائے جائیں گے“

سُورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کافروں کی اس بات کی تصدیق فرماتا ہے:  
وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ؕ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظًا مَّاءً اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ  
اَوَاٰبًا وَّابَاۡنًا اَلْاَوَّلُوْنَ ۚ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَا لَجْمٌ بَيْنَهُمْ ۙ  
اِلٰىٰ وَبِقَاتٍ يَوْمَ تَعْلَمُوْنَ ۝ (آیت: ۵۴ تا ۵۷)

”وہ کہتے تھے کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور بڑیوں کا پنجرہ  
جائیں گے تو پھر اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا  
بھی اُٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اے نبی! ان کو کوئل



کہو، یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کئے جانے والے ہیں جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔“

پھر خالق کائنات سخت ترین لہجے میں ان پر یہ بات واضح کرتا ہے کہ :

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا إِنْآ لَنَمْبُغُوْنَ خَلْقًا جَدِيدًا  
قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ  
”وہ کہتے ہیں جب ہم صرف ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے ؟ ان سے کہو تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت چیز جو تمہارے ذہن میں (قبولِ حیات سے بعید تر) ہو۔ (پتھر بھی تم اٹھ کر رہو گے) وہ ضرور کہیں گے کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا ؟“

اسی بات کی تشریح معرکۂ قرآن نے یوں مسرہائی ہے :

ترجمہ: ”جس دن صور میں پھونکا ماری جائے گی تم لوگ فوج در فوج آؤ گے۔“

”۔۔۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صور کی دو پھونکیوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔ پوچھنے والے نے کہا چالیس دن کا وقفہ ؟ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ نہیں کہہ سکتا۔ پھر کہنے والے نے کہا چالیس مہینوں کا وقفہ ؟ کہا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پوچھنے والے نے پھر کہا کہ کیا چالیس سال کا وقفہ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس بات کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے سنا ہے کہ اس وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسانے گا اور لوگ اس طرح اُگ پڑیں گے جیسے بذر اُگتا ہے۔ انسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو برباد نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی عجب الذنب کے اور اسی سے جسم انسانی کو پھر بنایا جائے گا۔ (بخاری)

قرآن حکیم کی تشریح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی جو قرآن بار بار دہراتا ہے مٹی میں بل کر جسم مٹی ہو جاتا ہے۔ اس بات کی مزید تشریح نبی علیہ السلام نے ”مٹلم“ کی ایک روایت میں کی ہے :

كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَأْكُلُهُ التُّرَابُ --- (الخ (مسلم باب ما بين النفختين)  
”ہر ایک ابنِ آدم کو مٹی کھا لیتی ہے۔“

اب جب قرآن وحدیث سے ثابت ہو گیا کہ انسان مٹی کے ساتھ سر کر مٹی ہو جاتا ہے اور یہ کہ ہر آدم کے بچے کو مٹی کھا لیتی ہے تو پتھر یا کیا جس کو عذاب یا راحت دیا جائے ! صرف ایک ہڈی (عجب الذنب) ہی تو باقی رہتی ہے جس پر ہم انسانوں کو قیامت کے دن اٹھا کر اُکھایا جائے گا۔ وہ چاہے بلا ڈالا جائے ڈوب کر پھیل جائے گا تو نہ بن جائے، جنگلی جانور کھالے یا بم سے اڑا دیا جائے غور فرمائیے ! قرآن کی ان آیات نے مندرجہ ذیل باتیں واضح کر دیں۔

۱ : صرف دو مہینوں اور دو زندگیاں ہیں تیسری قبوری زندگی کا کوئی ذکر و تصور نہیں۔

۲ : مرنے کے بعد صرف اور صرف قیامت کے دن ہی کھڑا کیا جائے گا۔

اس زمینی گڑھے میں اٹھا کر نہیں اٹھایا جائے گا۔

۳ : جس کے لیے موت کا فیصلہ ہو گیا، اس کی رُوح کو (عالم برزخ میں) روک لیا جاتا ہے یعنی دُنیوی جسم میں لوٹایا نہیں جاتا۔

۴ : مَرُوءے قیامت تک مَرُوءے ہیں۔ خواہ وہ نبی ہوں یا ولی، ان میں جان کی رُوح تک باقی نہیں رہتی، وہ تو ان کی پکاروں سے قیامت تک غافل ہیں اور نہ ہی ان میں دیکھنے اور سُنے کی صلاحیت ہے بلکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اُٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔

۵ : اوپر پھر قرآن وحدیث دونوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر اولادِ آدم کو مٹی کھا جاتی ہے یعنی انسان مٹی کے ساتھ بل کر مٹی ہو جاتا ہے۔

اب اگر کوئی بضد ہو کہ اس مُردے کے ساتھ، جو مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے پڑیوں کا ڈھانچہ بھی نہیں رہتا، عذاب و راحت کا معاملہ اسی زمینی گڑھے میں ہوتا ہے تو یہ محض جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی اور قرآن و حدیث کا صریح انکار ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آخرت سے لاپرواہی کا ہی نتیجہ ہے۔ قرآن کی نظر میں ایسے عقیدے کا حامل شخص سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن مومن نہیں ہو سکتا !

مرنے کے بعد سوال و جواب اور قیامت تک عذاب یا راحت کا معاملہ ہر ایک کے لئے بالکل حق ہے اور اس کا انکاری بھی مومن نہیں۔ لیکن اس معاملے کا تعلق ”برزخ“ یعنی ”آڑ“ کے پیچھے کے عالم سے ہے جہاں اس عالم فانی سے وفات پانے والے کی رُوح پہنچ جاتی ہے اور وہیں بغیر کسی انقطاع کے ہر ایک پر قیامت تک عذاب کا دور گزرے گا۔ البتہ مرنے والے کا تعلق اس دنیا سے بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے :

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۚ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۚ (المؤمنون: ۹۹-۱۰۰)

”اور یہ لوگ غفلت میں رہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آجائے گی تو کہے گا اے میرے رب! مجھے دنیا میں پھر اپس بھیج دے۔ تاکہ میں نیک عمل کروں، اس دنیا میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جس کو وہ (زبان سے) کہتا ہے اور ان کے پیچھے ایک آڑ ہے قیامت تک“

مذکورہ بالا آیات میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ مرنے والا اللہ سے دُنیا میں

واپس بھیجنے کی درخواست کرتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ”لا“ کے بجائے ”کَلَّا“ کہہ کر چھڑکنے والا انداز اختیار کیا ہے کہ ”ہرگز نہیں“ یہ تو ایک بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے۔ اب ان سب مرنے والوں کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے قیامت کے دن تک۔ وہیں عذاب یا راحت کا دور ہر ایک پر گزرتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن میں برزخ کا ذکر ہے اور اسی بات کو نبیؐ نے عذابِ قبر کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ یہی وہ قبر ہے جو قرآن کے مطابق ہر مرنے والے کو ملتی ہے خواہ وہ دنیا کا جائے یا نہ کیا جائے۔ جلا ڈالا جائے یا کسی دزدے کے پیٹ میں جا کر فضلہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

قِيلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۚ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۚ مِنْ تُّخَّافَةٍ ۚ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ۚ ثُمَّ السَّيْلَ يَسْرَهُ ۚ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۚ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ۚ (عبس: ۱۷-۲۲)

”اللہ کی مار ہو انسان پر وہ کیسا ناشکر ہے، اللہ نے اس کو کس چیز سے بنایا ہے، نطفہ سے اس کو بنایا، پھر اس کا ایک اندازہ مقرر کیا، پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا، پھر اس کو موت دی، پھر قبر میں دفن کر دیا، پھر جب وہ چاہے گا تو اسے دوبارہ زندہ کرے گا“

اب اس ”برزخ“ کے حالات کا علم نہیں سوائے اس کے جو قرآن وحدث نے بیان کر دیا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہرگز مرنے والے ہمارے حالات سے بے خبر ہیں اور ہمیں ادھر کے حالات کا علم نہیں، تو یہی عالم برزخ ہے۔ اسی بات کی تشریح صحیح احادیث کرتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے :

عن عائشة زوجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یهودیة یبکی علیہا اهلہا فقال انہم لیبکون علیہا وانہا لتعذب

ف قبرها - (بخاری - جلد ۱)

۱: "عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کی میت پر سے گزرے (قبر پر سے نہیں) اس پر اس کے گھروالے ڈر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس (یہودیہ) پر رو رہے ہیں اور اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے"

۲: اور مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا اور لوگ اس یہودی کے اوپر رو رہے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ لٹے ہوئے ہیں اور اسے عذاب ہو رہا ہے۔ (مسلم، جلد ۱) بخاری اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ یہودی عورت جو ابھی اس زمینی قبر میں دفن بھی نہیں کی گئی تھی، بلکہ زمین کے اوپر ہی تھی اور زبان نبوت نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں قبر سے مراد برزخی قبر ہے دنیاوی نہیں، اور یہی بات مسلم کی حدیث بھی ثابت کرتی ہے۔ قرآن حدیث کی کھلی شہادت کے بعد ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ فرضی جسم اور یہ فرضی قبر (برزخی قبر) کا تصور آیا کہاں سے، جس پر عذاب و راحت کا مرحلہ گزرتا ہے؟۔ لیکن اس اعتراض کا جواب بھی ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں دیتے ہیں۔ سورۃ یونس میں مالک کائنات فرعون کے متعلق فرماتا ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقْتَ آيَةً ۚ وَلَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا نَفْسًا عَنِ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغُلُوفًا ۚ (یونس: ۹۲)

"تو آج ہم تیرے بدن (لاش) کو بچائیں گے، تاکہ بعد کے لوگوں کیلئے نشان عبرت ہو، اور یہ حقیقت ہے کہ بہت لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں"

اب دیکھیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں اسی دنیا میں ہیں اور ان میں سے کچھ تاہرہ کے عجائب گھر میں ہیں، لیکن ان کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جا رہا ہے

اس سے یہ بات ثابت ہو گئی ان کو کوئی دوسرا جسم جو قیامت تک باقی رہنے والا اور عذاب برداشت کرنے والا ہے، دیا گیا ہے جسے بخاری نے کہا کہ وہ نہیں ہے۔ اے آئیے قرآن عزیز کی دوسری دلیل کی طرف۔ قوم نوح کے لیے فرمایا گیا:

مِمَّا حَظَّيْنَاهُمْ أَغْرَقُوا فَأَذْخَلُوا تَارًا فَكُنْتُمْ يَجْدًا وَالْكَهْمُ  
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝ (نوح: ۲۵)

"آخر وہ اپنے گناہوں کے سبب غرقاب ہوئے، پھر آگ میں ڈالے گئے، اور اللہ کے سوا ان کو اور کوئی حمایتی نہیں ملا"

دیکھئے ان کو دنیاوی قبرس تو نہ ملیں، اور مالک ارض و سماء کا بیان ہے کہ وہ آگ میں ڈال دیئے گئے، جبکہ ان کے اجسام تو پانی میں ڈوبے ہوئے تھے اس سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان کو برزخی جسم کے ساتھ آگ میں ڈالا گیا۔ قرآن حکیم کی تیسری دلیل کی طرف آئیے۔ صاحب السین کو جب اس کی قوم نے قتل کر دیا تو مالک ذوالجلال نے حکم دیا:

قِيلَ اذْخُلِ الْحَيَّةَ ۚ قَالَ يَلَيْكَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۚ لَا يَمَسُّ عَفْرَىٰ رِجِّي ۚ وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرِمِينَ ۝ (سین: ۲۶، ۲۷)

"حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا، وہ بلا کا ش: میری قوم کو معلوم ہو چکا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا، اور مجھے معزز لوگوں میں شامل فرما دیا"

دیکھیں ابھی اس کی لاش دنیا میں موجود تھی اور وہاں اسے جنت میں داخلے کا حکم ہوا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جنت میں اسے ایک دوسرا جسم عطا کیا گیا۔

اے آئیے احادیث صحیحہ کی طرف جن میں راحت و عذاب دونوں کا ذکر برزخی جسموں کے ساتھ ثابت ہے۔ پہلے بخاری کی روایت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ترجمہ: "سمرقہ بن جندب نے کہا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز (صبح) پڑھ لیتے تھے تو ہماری طرف رخ کر کے پوچھتے تھے کہ تم میں سے کس نے رات کو



غواب دیکھا ہے۔ پس اگر کسی نے کوئی غواب دیکھا ہو تو بیان کر دیتا تھا، اور آپ جو اللہ چاہتا کہہ دیا کرتے۔ ایک دن آپ نے ہم سے سوال کیا کہ کسی نے غواب دیکھا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ جی نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا لیکن میں نے رات دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور انہوں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور مجھے باہر نکال کر ایک ارض مقدس کی طرف لے گئے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں (بخاری کہتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نے موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کی) لوہے کا آنکڑا ہے۔ اور وہ اس کو بیٹھے ہوئے شخص کے جبرٹے میں داخل کر کے رخسار کو کدے تک پھاڑ ڈالتا ہے، پھر اس کے دوسرے گلچھڑے کی مساتھ یہی عمل کرتا ہے۔ پھر گال جبرٹ جاتے ہیں۔ اور پھر وہ (کھڑا ہوا) شخص (بیٹھے ہوئے) کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے، ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے پس ہم چلے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنی کدے کی بل لیٹا ہوا تھا اور اس کے سر کے اوپر ایک دوسرا شخص پتھر لئے کھڑا تھا۔ اور پتھر مارا کہ اس کے سر کو پھاڑ دیتا تھا۔ پتھر سر پر پڑنے کے بعد ایک طرف ٹوٹ جاتا تھا اور پتھر مارنے والا اس کو اٹھانے کے لیے جاتا اور اس درمیان کہ پتھر کو اٹھا کر وہ پھر واپس آئے، سر پھر جبرٹا جاتا اور ویسا ہی ہوجاتا جیسا کہ وہ پہلے تھا، اب پھر وہ پہلے کی طرح پتھر کو سر پر مارتا۔ (یہ دیکھ کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے۔ ہم چلے اور تنور کی شکل کی نقب کے پاس آئے۔ اس نقب کے اوپر والا حصہ تنگ اور نیچے کا حصہ وسیع تھا اور اس میں آگ جبرٹ کر رہی تھی۔ اس نقب کے اندر برہنہ مرد اور عورتیں تھیں۔ جب آگ تیز ہوتی تو وہ اوپر اٹھتے اور باہر نکلنے کے قریب ہو

جاتے اور جب دھیمی ہوتی تو پھر نیچے واپس چلے جاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے ہم چلے یہاں تک کہ ایک نہر پر آئے جو خون سے بھری ہوئی تھی اور اس میں ایک شخص کھڑا تھا۔ اور نہر کے کنارے ایک اور شخص تھا جس کے سامنے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ جب نہر والا شخص آگے بڑھتا اور باہر نکلنا چاہتا تو باہر والا اس کے منہ پر پتھر مارتا اور اس کو پھر اس جگہ واپس لوٹا دیتا اور بار بار وہ نہر والے شخص کے ساتھ یہی معاملہ کرتا اور اس کو اسکی جگہ واپس لوٹا دیتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ یہ سب کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ آگے چلیے۔ ہم چلے یہاں تک کہ ایک سرسبز و شاداب باغ میں پہنچے اس میں ایک بہت بڑا درخت تھا اور اس درخت کی جڑ کے پاس ایک بزرگ اور بچے تھے، اور درخت کے قریب ایک صاحب تھے جن کے سامنے آگ تھی اور وہ اسے بھڑکا رہے تھے۔ پھر وہ دونوں مجھے ایک درخت پر چڑھا کر ایک ایسے گھر میں لے گئے جس سے زیادہ حسین گھر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس گھر میں بوڑھے اور جوان مرد اور خواتین اور بچے تھے۔ پھر وہ مجھے اس گھر سے نکال کر ایک درخت پر چڑھا کر ایک ایسے گھر میں لے گئے جو پہلے گھر سے زیادہ حسین و جمیل تھا۔ اس میں بوڑھے اور جوان تھے۔ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ تم دونوں مجھے رات بھر گھماتے پھرتے رہے۔ اب بتاؤ کہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ سب کیا ہے؟ دونوں نے کہا۔ بہتر:

وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے گال پھاڑے جا رہے ہیں وہ کذاب تھا۔ جھوٹی بات بیان کرتا تھا اور لوگ اس بات کو لے اُڑتے تھے یہاں تک کہ ہر طرف اس کا پیر چا ہوتا تھا۔ تو اس کے ساتھ جو آپ نے ہوتے

دیکھا وہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا، یہ وہ شخص تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا لیکن وہ راتوں کو قرآن سے غافل سوتا رہا اور دن کو اس کے مطابق عمل نہ کیا۔ یہ عمل قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور جس کو آپ نے دریا میں دیکھا وہ سودخور تھا۔ اور وہ شیخ جو درخت کی جڑ کے پاس تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور بچے جو ان کے گرد تھے وہ انسانوں کی اولاد تھے اور جو آگ بھڑکا رہے تھے وہ مالک داروغہ جہنم تھے اور وہ پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ عام مومنین کا گھر تھا۔ اور یہ گھر شہداء کے گھر ہیں۔ اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر اُپر تو اٹھا ئیے۔ میں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنا سر اٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اوپر ایک بادل سا دیکھا۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ آپ کا گھر ہے۔ میں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں، ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے ابھی پورا نہیں کیا ہے اگر آپ اس کو پورا کر لیں تو اپنے اس گھر میں آجائیں گے“ (بخاری، جلد ۱) بعض عتبار اور ہوشیار قسم کے لوگ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ خواب کا معاملہ ہے حقیقت نہیں“ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے ان کے خوابوں کی طرح پریشان خیالیان نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھ کر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جانا اور اسمعیل علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ”ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ آپ کریں۔“ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اور خود عذاب برزخ کو ثابت کرنے والی اس روایت کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں۔

”ويفعل به الى يوم القيامة“ (انکے ساتھ یہ معاملہ قیامت تک ہوتا رہے گا)

اس طرح اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ رُوحوں کو (عالم برزخ میں) جسم ملتا ہے۔ جسم اور رُوح کے اس مجموعے پر عذاب یا راحت کا دور گزرتا ہے۔ اس جسم پر قیامت تک یہ حالات گزریں گے۔ اور پھر یہ ایسا جسم ہے جس کو نقصان پہنچایا جاتا ہے تو پھر بن جاتا ہے۔ اب آپ اس حدیث کی ایک بات پر غور کریں کہ دُنیا میں زنا کاروں کی قبریں مختلف مقامات اور مختلف ملک میں ہوتی ہیں، لیکن برزخ میں ان کو ایک ہی تنور میں برہنہ حالت میں جمع کر کے عذاب دیا جاتا ہے۔ نیکو کار مرنے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی جسم ملتا ہے۔ اسی طرح شہداء کو بھی جسم ملتا ہے اور مسلم کی حدیث کے مطابق ان کے جسم سبز رنگ کے اڑنے والے ہیں:

ترجمہ: --- مسروق نے کہا کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود سے قرآن کی اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا لَّبَلَّيْلَ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزْكَوْنَ ۝ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی رُوحیں سبز اڑنے والے قابلوں میں اور ان کے لئے قندیلیں عرش الہی سے لٹکی ہوئی ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں اگر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف ان کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ کسی اور چیز کی تمہیں خواہش ہے؟ شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں، جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مرنے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تین باران سے ہی دریافت کیا، اور شہداء نے دیکھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے ان کا رب ان سے براہِ پوچھتا رہے گا، تو انہوں نے کہا کہ مالک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری رُوحوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیا جائے

اور ہم دوسری باری راہ میں شہید کیے جائیں۔ اب کہ مالک نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا چھوڑ دیا (مسلم جلد) مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ شہید کو نیا اڑنے والا جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ جنت کی راحتوں میں خوش و خرم رہتا ہے۔ شہید کا مالک اپنے عرش کے اوپر سے اس پر انتہائی مشفقانہ انداز میں گفت و فرماتا ہے اور خواہشات اور تمتاؤں کے اظہار پر اصرار بھی، مگر جب وہ یہ آرزو کرتا ہے کہ اس کی روح کو اس کے دنیاوی جسم میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ ایک بار پھر اس کی راہ میں جہاد کر کے شہادت کی سعادت حاصل کرے، تو اس کا مالک اپنی سنت کو نہیں بدلتا۔ اور اس کی اس خواہش کو بھی پورا نہیں کرتا جس کے اظہار کا نحو اس نے اس سے بار بار تقاضا کیا تھا۔

اسی طرح بخاری کی روایت میں ہے کہ عروبن لحي الخزاعي کو نبی علیہ السلام نے جہنم کی آگ میں اپنی انٹروں کو پھینچتے ہوئے دیکھا۔ (پیٹ کے پھٹنے کے بعد) حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت جهمو يحطم بعضها بعضا ورأيت عمر أيجر قصبه وهو أول من سلب السواائب - (بخاری، جلد ۲)

ترجمہ : ----- عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کا بعض حصہ بعض کو برباد کیے دے رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ عمرو (ابن لحي الخزاعي) اپنی آنتوں کو کھینچ رہا تھا۔ وہ پہلا (عرب) شخص ہے جس نے بتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑنے کی رسم ایجاد کی تھی۔ اور اسی طرح بخاری کی دوسری روایت میں راحت و عذاب دونوں کا ذکر

برزخی جہنموں کے ساتھ ثابت ہے :

عن البراء بن عازب قال لما توفي ابراهيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان له مرضعا في الجنة - (مسلم ۲۵۸۵)

ترجمہ : البراء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب ابراہیم کی وفات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ابراہیم جنت میں موجود ہیں اور ایسے جسم کے ساتھ جو چھاتی سے دودھ کھینچ سکے، یہ نہیں کہ دنیاوی قبر میں دودھ پلانے والی مہتیا کر دی گئی ہو۔

اب کوئی بتائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، شہداء اور دوسرے نیک گنہگار اور کافر و مشرک انسان اگر روح کے واپس آکر مردہ جسم مغربی سے بل جانے کے بعد اپنی دنیاوی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر وہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق، جنت و جہنم میں کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ کیا ہر انسان کی دو روئیں ہوتی ہیں ایک جنت یا جہنم میں ہے اور دوسری دنیاوی قبر میں مرنے ہوئے جسم کے ساتھ وابستہ ہے؟

قرآن و حدیث کی مشترکہ شہادت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو شخص بھی وفا پا جاتا ہے اس کو حسب حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم اور روح کے مجموعہ پر سوال و جواب اور عذاب یا راحت کے سارے حالات گزرتے ہیں۔ اور برزخ میں اس کا مقام بھی اس کی اصلی قبر ہوتا ہے۔ پھر ذہن میں ایک سوال بھرتا ہے کہ پھر آخر اس زمینی گڑھے میں مڑوے کو کیوں ڈالا جاتا ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن ہی سے سنیں لیکن آپ کا دل مطمئن ہوگا۔

سورة المائدة میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے :

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ .  
فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ بُوَارَى سَوْءَهُ



أَحْيَاهُ ۖ قَالَ يُولِيكَىۤىۡ ۖ أَعَزَّزْتُ أَنَّ أَكُوْنَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأَوَارِيۤىۡ  
سَوَءَةً ۖ أَخْبَىٰ ۚ فَاصْبَحَ مِنَ التَّائِيِبِيْنَ ۝ (آیت: ۳۱، ۳۰)  
”سو اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر  
نے اس کو قتل ہی کر دیا، پھر وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا اللہ نے  
ایک کو ابھیا، وہ زمین کھودنے لگا تاکہ وہ اس کو دکھا دے کہ وہ اپنے  
بھائی کی لاش کیسے چھپائے، کہنے لگا افسوس میں اس سے بھی بدتر  
ہوں کہ میں اس کو بے جیسا ہی ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ تو وہ بڑا  
شرمندہ ہوا“

یہ ہے وہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ پہلے وفات شدہ بندے کے بارے میں ایک  
پرندے کے ذریعے دکھلاتا ہے کہ جب بھی تم میں کوئی وفات پا جائے تو اسے زمین  
کے پیٹ میں اتار دو، یہی آسن طریقہ ہے کیونکہ اگر انسان کے مرنے کے بعد اس کی  
لاش کو یوں ہی کسی میدانوں، چٹانوں اور کچرا کنڈیوں میں پھینک دیا جائے تو تویل  
کوتے اور دیگر جانور نوچ کھا لیں گے اور لاش کی ڈرگت بنائیں گے اور چند ہی روز  
میں ماحول بُری طرح متعفن اور جراثیم سے آلودہ ہو جائے گا اور زندہ انسانوں کا بھینائی  
دو بھر ہو جانے کا کچھ سچرہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس برزخ کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے  
اس کا اطلاق اسی قبر پر ہوتا ہے یعنی ارضی قبر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ پردے کے پیچھے  
ہو رہا ہے۔ اور وہی برزخ ہے۔ ان دانشوروں سے کوئی پوچھے کہ اگر سارا برزخی  
معاملہ ارضی قبر میں ہو رہا ہے تو پھر یہ معاملہ کیا ہمارے اختیار میں ہے اور ہماری مولدیت  
پر موقوف کہ جب چاہیں مڑوے کو قبر سے نکال کر عذاب و راحت کو روکیں اور  
جب چاہیں لاش کو قبر میں ڈال کر عذاب میں مبتلا کر دیں؟ ان اندھے عقلمند  
کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انبیاء، شہداء اور صلحاء کے جتنی جسموں کا یا عمر و بنی  
الخزاعی کا فرد مشترک کے جہنمی جسموں کا ان ارضی قبروں کے گلے شُرے لاشوں اور

مٹی میں ملے ہوئے ذرات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ عالم برزخ میں ہیں  
اور ان کے بے جان لاشے دُنیاوی قبروں میں! حالانکہ سوال جواب اور عذاب  
راحت کا معاملہ جسم اور روح دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ اس لاش کا جوازی  
گڑھے میں ہے عالم برزخ سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ ہمارے اور اس ارضی قبر یا  
اس لاش کے درمیان تو کوئی پردہ ہے ہی نہیں؟ بالفاظ دیگر ارضی قبر اور لاش  
”پردہ“ کے اس طرف ہیں اور مرنے کے بعد کے حالات (عذاب و راحت) پردے  
کے اُس طرف یعنی برزخ میں ہیں، اور پردے کے اس طرف اور اُس طرف کے  
حالات و معاملات کا باہم تعلق قیامت تک کے لیے منقطع ہے۔ (المؤمن: ۱۰۰)  
اب اس مسئلہ حقیقت کی مزید وضاحت کے لیے احادیث سے دُعا اور  
مثالیں پیش کی جاتی ہیں ممکن ہے کہ بات ذہن میں اُتر جائے۔

ہجرت کے بعد مدینے میں جس جگہ مسجد نبوی تعمیر ہوئی وہاں مُشرکوں کی قبریں  
تھیں۔ نبی علیہ السلام نے زمین خریدنے کے بعد صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان قبروں  
کو اکھاڑ دیا جائے (بخاری)۔ غور فرمائیے کہ اگر ان ارضی قبروں میں عذاب و راحت  
ہو رہا ہوتا تو ان کو اکھاڑنے کا حکم کس طرح دیا جاسکتا تھا؟ نبی علیہ السلام کو ان مشرکوں  
پر سے عذاب ختم کرنا تو مقصود نہ تھا؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا قبر میں ختم  
ہونے کے بعد وہ مشرک عذاب سے بچ گئے؟

صحیح بخاری کتاب الانبیاء میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے جب وہ اسلام لایا تو نبی صلی  
علیہ وسلم کا کاتب وحی مقرر ہوا۔ پھر وہ مرتد ہو گیا اور نبی علیہ السلام کے خلاف پڑ گئی  
کرنے لگا۔ جب اس کی موت واقع ہوئی اور اس کو دفن کیا گیا تو دوسرے روز اس کی  
لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ملی۔ پھر دفن کیا گیا، پھر لاش قبر سے باہر پڑی ملی۔ تین  
دفعہ دفن کیا گیا اور تینوں مرتبہ زمین نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا۔ پھر انہوں  
نے اسے دفن ہی نہ کیا۔ کیا اس مرتد آدمی کا جسم عذاب سے بچ گیا؟ کیونکہ اس کی قبر

نے تو اسے باہر پھینک دیا! ہرگز نہیں! نہ تو یہ مُردہ عذاب سے بچا اور نہ وہ مُشرکین عذاب سے بچے جن کی قبریں مسمار کر دی گئیں۔

اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پُرانی قبروں کی جگہ نئی قبریں بنادی جاتی ہیں، سعودی عرب میں تو ایک قبر میں کئی کئی لاشے دفن کیے جاتے ہیں اور پھر کیمیائی عناصر کے ذریعے لاشوں کو تحلیل کر کے قبرستانوں کو بار بار استعمال کیا جاتا ہے اگر ان ارضی قبروں میں ان لاشوں کو ہی زندہ کر کے عذاب و راحت ہوتا تو یہ بڑے لاشے کیمیائی عناصر سے تحلیل نہ کیے جاتے۔ اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اکثریت اپنے لاشوں کو جلا ڈالتی ہے۔ الغرض تو قبر مسمار ہونے کی وجہ سے کوئی عذاب قبر سے کوئی بچ سکتا ہے اور نہ پوسٹ مارٹم وغیرہ کے لینے لاشے باہر رکھنے کی وجہ سے عذاب قبر میں تاخیر و قفل ہو سکتا ہے کیونکہ عذاب راحت کا تھا، ”برخ“ ہے یہ یعنی گرٹھا نہیں!! بخاری کی ”قرع نعال“ والی روایت کے ان الفاظ سے کہ ”مُردہ جو توں کی چا پ

سُنتا ہے“ اس باطل نظریے کے لیے دلیل لی جاتی ہے۔ آئیے! اس پر بھی غور کر لیں کہ محدثین نے اس کی کیا تاویل و تشریح کی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی تاویل یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک یہ الفاظ بطور کنایہ استعمال ہوئے ہیں اور اس کا مقصد شریعت یہ واضح کرنا ہے کہ دفن کیے جانے والے مُردے سے سوال و جواب اتنی جلد شروع ہو جاتا ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو دفن کر کے جائیو لے لوگوں کے جو توں کی آواز سن لیتا۔ یعنی وہ ابھی پلٹ کر آتی دیکھ بھی نہیں گئے ہوتے ہیں کہ برزخ میں اس کا حساب کتاب شروع ہو جاتا ہے۔ یہ تاویل و تشریح اس کیلئے کی بنیاد پر ہے کہ مُردہ بہر حال مُردہ ہے سُنتا اور سُنانا اس کے پس کی بات نہیں۔ اسے تو کوئی کچھ بھی نہیں سُنا سکتا، نہ جو توں کی آواز اور نہ کوئی اور بات، چاہے وہ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ قرآن بیان فرماتا ہے کہ:

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى (النمل: ۸۰) ”آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے“

وَمَا أَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِّنَ الْقُبُورِ

”(اے نبی!) آپ ان لوگوں کو نہیں سُنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں“

واضح ہو کہ ”قرع نعال“ کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اللہ تعالیٰ ہر مُردے کو دفن کر جائیو لے لوگوں کی جو توں کی چا پ سُنا دیتا ہے، بڑی زیادتی بلکہ قرآن کا انکار ہے۔ دوسری شرح بخاری کے شارح الذین بن النیر کی ہے جس کو ان جرح و ستلاب بخاری کی شرح فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح میں سب سے پہلے لائے ہیں کہ بندہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کا معاملہ پورا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ البتہ سُنتا ہے انکے جو توں کی چا پ کہ وہ فرشتے اس کے پاس آ جاتے ہیں ۱۔ اسے ان دو فرشتوں کی چا پ سُنتا مراد ہے جو (برزخ میں) اسکے پاس سوال و جواب کے لیے آتے ہیں۔ اس پر پھر اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا فرشتے جوتے پہنچتے ہیں؟ اور اگر فرشتے جوتے پہنچ بھی لیں تو کیا قیامت آجائیگی جبکہ بخاری اور مسلم کی احادیث میں آگیا کہ فرشتے باس بھی پہنچتے ہیں اور ہتھیار بھی لگاتے ہیں، تو آخر جو تیاں پہنچتے ہیں ایسی کیا بات ہے کہ اس کی ہنسی اڑائی جائے۔

ایک اور تہرہ چلایا جاتا ہے کہ دیکھو نبیؐ دو قوموں کی قبروں کے پاس سے گزرتے اور آپؐ نے فرمایا کہ ان دو قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ اور بڑی باتوں پر نہیں، (بلکہ ان باتوں پر جن کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں) ایک پیشاب کے پھینکوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا ادھر کی سنی ادھر کہتا پھرتا تھا۔ پھر آپؐ نے ایک ہری شاخ منگوائی اور دو حصے کر کے ایک ایک حصہ قبروں پر بٹکا دیا، اور کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب میں کمی رکھے گا۔ اب اس حدیث سے یہ نکالا جاتا ہے کہ جن قبروں پر پھنسیاں لگائی گئی تھیں، انہی قبروں کے اندر ان دونوں مُردوں کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ قیامت سے پہلے مُردہ جسم میں رُوح واپس نہیں آسکتی۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر رُوح کے عذاب و راحت بے معنی

ہیں۔ اس طرح صحیح حدیث کے غلط معنی لے کر قرآن حدیث کو جھٹلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اپنے اس عمل سے صحابہؓ کے ذہنوں میں اسی بات کو راسخ کرنا چاہتے تھے جس کو آپؐ نے عائشہؓ سے خطاب کر کے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ :-

”اے عائشہؓ حقیر سمجھنے جانے والے گناہوں سے بھی بچنے کی کوشش کرو کیونکہ اللہ کی طرف سے فرشتے ان کو بھی لکھتے رہتے ہیں“ آپؐ اپنے اس عمل سے اسی بات کو اپنے صحابہؓ کے پوری طرح ذہن نشین کرنا چاہتے تھے جیسے ایک لیکچر دینے والا اپنی زبان سے ایک مسئلہ بیان کرتا ہے اور ساتھ ساتھ تختہ سیاہ پر بھی اسکو لکھتا جاتا ہے تاکہ کان کا سُنا اور آنکھ کا دیکھا دونوں یاد رہیں۔ پھر آپؐ نے نوشتہ لگا کر یہ جو کہا کہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ جب تک یہ تر رہیں گی ان پر عذاب میں تخفیف کی جاتی رہے گی، تو آپؐ کی یہ سنت تھی کہ اگر تعلیم و تربیت کے طور پر کہی ہوئی بات سے آپؐ کسی مومن کی دل آزاری کا اندیشہ محسوس کرتے تو فوراً کبھی نہ کسی طرح اسے نفع پہنچا کر یا اس کی دلجوئی کر کے اس کی تلافی کر دیتے۔ رہا یہ سوال کہ شاخیں دُنیوی قبروں پر کیوں لگائیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ برزخ میں اپنے ساتھیوں کو لے جا کر ان کی اصلی قبریں دکھانا، اور وہاں شاخ لگانا ممکن نہ تھا صرف یہ بتانا تھا کہ ان قبروں میں جو مرد دفن کیے گئے تھے ان پر برزخ میں یہ حالات گزر رہے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے اطلاع غیب تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُبجَرَّہ تھا۔ اب اس حدیث کی من مانی تشریح کر کے اس سے یہ نکالنا کہ انہی دُنیوی قبروں میں دُنیوی جسموں پر عذاب ہو رہا تھا، بڑی جسارت ہے اور نبی علیہ السلام پر کتاب اللہ کے جھٹلانے کا غلط الزام ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کی تبیین اور تشریح و تائید کیلئے بھیجے گئے تھے اسکو جھٹلانے کے لئے تو نہیں! قرآن و حدیث کی دلیل کے بغیر محض من مانی تاویل پر استدلال کی بنیاد اُستوار کرنا بڑی جسارت اور یوم حساب کی علامت ہے یہ محض اندھی تقلید اور کابر پرستی کا شاخسانہ ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ